 

20-08-2018

فلسفۂ قربانی

مفتی منیب الرحمٰن

اصل عربی لفظ ''قُربان'' ہے اور اس کا مادّہ ''ق رب'' ہے، اس کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات سے قربت حاصل کرنے اور اُس کی رضا کے لیے عبادت کی نیت سے اس کی بارگاہ میں کوئی جانی یا مالی نذر اور صدقہ پیش کرنا، اس لفظ کو ہم نے اردو میں بدل کر ''قربانی'' بنا دیا، جیسے عربی کے لفظ ''حَاجّ'' کو ہم نے اردو میں ''حاجی'' بنا دیا۔ خاص طور پر دس تا بارہ ذوالحجہ مسلمان حضرات ابراہیم و اسماعیل و سیدنا محمد رّسول اللہ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سنت کے طور پر جو جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں، اسے قرآن و حدیث میں ''نُسُک، اُضْحِیَہ، ضَحِیَّہ، بُدْنَہ اور شَعَائِر'' بھی کہا گیا ہے، اُضْحِیَہ کی جمع ''اَضَاحِی'' اور ضَحِیَّۃ کی جمع ''ضَحَایَا'' ہے۔

ہر دور میں اہلِ دانش یہ کہتے رہے ہیں کہ تین دنوں میں اتنی بڑی تعداد میں قربانی کے جانوروں کا ذبح کیا جانا ایک غیر دانش مندانہ وغیر اقتصادی عمل اور وسائل کا ضیاع ہے۔ ایک مشورہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ قربانی پر خرچ ہونے والے پیسے کو انسانی فلاح کے کاموں پر خرچ کر دیا جائے۔ یہ سوچ عقلیت پسندی کی مظہر ہے کہ ہر چیز کو مادّی نفع و نقصان کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جس بات کو عقلِ عیار قبول نہ کرے اُسے ردّ کر دیا جائے۔ قربانی ایک عبادت ہے، یہ ابتدائے آفرینش سے تمام الہامی شریعتوں میں کسی نہ کسی صورت میں چلی آ رہی ہے، اس کا مدار اللہ تعالیٰ کے اُس حکم پر ہے جو نبی کریم علیہ السلام کے ذریعے ہم تک پہنچا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی کے دنوں میں انسان کا کوئی بھی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے دن یہ جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کُھروں (یعنی پورے وجود) سمیت حاضر ہوگا اور ذبیحے کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت کے مرتبے کو پا لیتا ہے، (سوائے اہلِ ایمان!) خوش دلی سے قربانی کیا کرو، (سنن ترمذی:1493)''۔

اگر مادّی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قربانی کے جانور کا گوشت اور کھال رُل رہی ہو اور کوئی اس کا طلب گار نہ ہو، بلکہ ہمیں تو ایک انار سو بیمار کا منظر نظر آتا ہے۔ الغرض قربانی کے جانوروں کی چربی، اوجھڑیاں، آنتیں، سری پائے اور مختلف اعضاء لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ قربانی نہیں کرتے، انہوں نے قربانی کے مساوی رقم نکال کر کسی فلاحی ادارے کو دے دی ہو۔ قرآن کریم نے روحِ قربانی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: (۱) ''اُن (قربانی کے جانوروں) کا گوشت اور خون اللہ کی

بارگاہ میں نہیں پہنچتا، بلکہ (اس فعل کا داعی) تمہارا تقویٰ اس کی بارگاہ میں پہنچتا ہے، (الحج:37)"۔

(۲) (اے رسول!) کہہ دیجیے، بے شک میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی (پیغام پہنچانے) کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، (الانعام:63-162)"۔ مفسرین کرام نے نبی کریم ﷺ کے سب سے پہلا مسلمان ہونے کے بارے میں دو توجیہات بیان کی ہیں: (۱) اگر حقیقی معنی مراد لیا جائے تو آپ عالم ارواح میں خَلق کے اعتبار سے اول المسلمین ہیں، فرمایا: "میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح کے جسم کے ساتھ متعلق ہونے کے مرحلے میں تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ:36553)"، (۲) بعثت کے بعد ہر نبی اپنی امت کے اعتبار سے پہلا مسلم ہوتا ہے۔

قربانی کا مقصد گوشت پوست کا حصول نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی کی امتیں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی نذر یا صدقہ یا قربانی پیش کرتیں، تو اسے کھلے میدان میں رکھ دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اور یہ اُس کی قبولیت کی دلیل ہوتی۔ قرآن کریم میں ہے: یہود نے کہا: "اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تاوقتیکہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کرے جسے آگ کھا جائے، کہہ دیجیے: مجھ سے پہلے کئی رسول تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے اور یہ نشانی بھی جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے، تو تم نے ان رسولوں کو کیوں شہید کیا اگر تم سچے ہو، (آل عمران:183)"۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس مطالبے کو حجت بازی سے تعبیر فرمایا اور اس کے ساتھ اشارتاً یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ ماضی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو نذر یا صدقہ یا قربانی پیش کی جاتی تھی، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اور یہ اُس کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی۔

قربانی کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسان کی تاریخ، سورۂ مائدہ آیت:27 میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی پیش کیے جانے، ایک کی قربانی کے قبول ہونے اور دوسرے کی رد ہونے کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ قبولیت کی علامت یہی تھی کہ آسمان سے آگ آئی اور اسے جلا ڈالا اور فوری نتیجہ نکل آیا، جس کی قربانی رد ہوئی وہ سرِ عام رسوا ہوا۔ حدیث پاک میں ہے: "(ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے جہاد میں فتح عطا فرمائی تو) انہوں نے مال غنیمت کو (میدان میں) ڈھیر کردیا، اُسے کھانے کے لیے آگ آئی، لیکن اُسے نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا: تم میں کوئی خائن ہے، تمہارے ہر قبیلے کا سردار میرے ہاتھ پر بیعت کرے، سو انہوں نے کی، تو ایک شخص کا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے چمٹ گیا، انہوں نے فرمایا: خائن تمہارے قبیلے کا آدمی ہے، اب تمہارے قبیلے کا ہر فرد میرے ہاتھ پر بیعت کرے، تو (ان میں سے) دو یا تین افراد کے ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گئے، انہوں نے فرمایا: تم نے خیانت کی ہے، پھر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے، اُس نبی نے فرمایا: اسے دوسرے مال پر رکھ دو، پھر آگ آئی اور پورے مال کو جلا ڈالا، پس ہم سے پہلے کسی نبی کی امت کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے عجز کو دیکھا اور ہمارے لیے اسے پاک قرار دے دیا، (صحیح مسلم:1747)"۔ رسول اللہ ﷺ نے دیگر انبیائے کرام پر اپنی فضیلت کے اسباب میں سے ایک یہ بیان فرمایا: "میرے لیے مال غنیمت کو حلال کردیا گیا ہے، جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی (کی امت) کے لیے حلال نہیں تھا، (صحیح مسلم:521)"۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خصوصی کرم فرمایا کہ اپنے صدقات اور قربانیوں پر اجر بھی پائیں اور ان سے فائدہ بھی اٹھائیں۔ ردّ و قبول کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی اور سرِ عام رسوا ہونے سے بچالیا، ورنہ کون جانے کہ دس ہزار روپے والے کی قربانی

قبول ہوئی یا پچیس لاکھ روپے والے کی۔

اگرچہ فقہی اعتبار سے قربانی کا جانور جتنا قیمتی ہوگا، اُسی کے مطابق اجر بھی عطا ہوگا۔ لیکن آج کل قربانی میں نام ونمود کا عنصر سرایت کرگیا ہے، انتہائی قیمتی جانوروں کی میڈیا پر تشہیر کی جاتی ہے اوراس کے ذریعے بعض لوگ اپنی شان وشوکت کا اظہار کرتے ہیں، یہ شِعارروحِ قربانی اور جذبۂ عبادت کے منافی ہے۔ پس اعتدال سے کام لینا چاہیے، کیونکہ آج کل غربت اور امارت کا تفاوت بڑھتا جارہا ہے اوراس کے نتیجے میں معاشی اعتبار سے نچلے طبقات میں مایوسی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اگر ہمارے ریاستی اور حکومتی نظام نے سماجی زندگی میں نمود کے کلچر کی حوصلہ شکنی نہ کی تو کوئی بھی مہم جو عوام میں اشتعال پیدا کر کے نفرت کے جذبات کو ابھار سکتا ہے، جبکہ ہم پہلے ہی داخلی اعتبار سے عدمِ استحکام، فساد وتخریب، قتل وغارت اور دہشت گردی کا شکار ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ میڈیا نمود کی اس روش کو فروغ دینے کا سب سے زیادہ ذمے دار ہے۔

المیہ یہ ہے کہ ہم صورتِ عبادت تو اختیار کرلیتے ہیں، لیکن روحِ عبادت اور حقیقتِ عبادت سے کوسوں دور رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہماری عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات معاشرے میں رونما نہیں ہوتے۔ ہم نماز کے فضائل بیان کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ نماز نظم وضبط سکھاتی ہے، لیکن آج ہم ایک منظم قوم کی بجائے منتشر ہجوم میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ افراد کے درمیان، فرد اور حکومت کے مابین حقوق وفرائض کا جو عدل پر مبنی نظام ہونا چاہیے، وہ ہمارے ہاں مفقود ہے، حتیٰ کہ تخریب وفساد کے ماحول سے نکلنے کے لیے بھی ہم یک سُو نہیں ہیں۔ ہماری حکومتی پالیسیاں حکمت وبصیرت اور تدبیر سے عاری نظر آتی ہیں، ہم داخلی اور خارجی خطرات کا جرأت واستقامت کے ساتھ سامنا کرنے کی بجائے خوف کے عالم میں ہنگامی پالیسیاں ترتیب دیتے ہیں اور کوئی بھی خوفزدہ قوم کسی بھی داخلی یا خارجی محاذ پر فتح یاب اور سرخ رُو نہیں ہوسکتی۔ حالات ہم سے مختلف سطحوں پر قربانی اور ایثار کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن ہم نوشتۂ دیوار پڑھنے کی صلاحیت سے عاری ہوچکے ہیں۔ لوگ اقتدار سے باہر ہوں تو اُن کی سوچ کا انداز کچھ اور ہوتا ہے اور اقتدار کے ''بیتُ الجن'' میں داخل ہوجائیں تو سوچ کے انداز بدل جاتے ہیں، پھر وہ حقائق وواقعات کو اقتدار کی عینک سے دیکھتے ہیں، علامہ اقبال نے کہا ہے:

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا ۔۔۔ کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اقوامِ عالَم یادگاریں قائم کرنے کے لیے بڑے بڑے ٹاور، مینار اور گنبد تعمیر کرتے ہیں، لیکن اسلام نے اَقدار کو عبادت کا درجہ دے کر قیامت تک کے لیے زندہ وتابندہ کردیا۔ صحابۂ کرام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، صحابۂ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! روئیں والے جانور کا کیا حکم ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: روئیں کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے، (سنن ابن ماجہ: 3127)''۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو بھی ''شَعَائِرُ اللّٰہ'' (اللہ کی نشانیوں) سے تعبیر فرمایا اور مزدلفہ کو ''مَشْعَرُ الْحَرَام'' کہا، شعار اور مشعر ہم معنی الفاظ ہیں۔ سو جو خوش نصیب حج پہ جاتا ہے اور مناسکِ حج کو ادا کرتا ہے، تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اُس کے ذہن میں حضرات ابراہیم واسماعیل اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہم کی یاد تازہ نہ ہو۔

(روزنامہ دنیا، 20 اگست 2018ء)